ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر سید عون ساجد نقوی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونی ورسٹی، اسلام آباد
عابد حسین
پی ایچ ڈی اسکالر (اردو)، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

علامت کا استعارے، نشان، تجرید اور تمثیل سے معنوی فرق

Dr. Syed Aoun Sajid Naqvi
Assistant Professor, Urdu department Federal Urdu University, Islamabad.
Abid Hussain
Ph.d scholar, Federal Urdu University, Islamabad

The difference of symbol from Metaphore, Sign, Abstraction and Allegory

Symbol, metaphor, sign, abstraction, Allegory seem to be the same terms in literary texts but In fact, there are subtle differences between them. These terms are often used in literary piece of writings, which sometimes lead to misunderstandings. To interpret artistic aesthetics of literature, it is essential to ensure a proper semantic understanding of the mentioned terms. This article clarifies the literary definition of these terms and their differences.

Keywords: *Symbol, Metaphore, Sign, Abstraction, Allegory.*

علامت بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے۔ مختلف لغت نویسوں نے علامت کے مختلف معانی تحریر کیے ہیں مثلاً فرہنگ آصفیہ میں علامت کے معانی کچھ یوں بیان ہوئے ہیں:

"علامت (ع) اسم مونث نشان، لکھشن، مارک، پتہ، ایڈریس، سراغ، کھوج، اشارہ، کنایہ، آثار"(۱)

انگریزی میں علامت کے لیے Symbol کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ دراصل یونانی زبان سے ماخوذ ہے اور دو لفظوں (Bolon) اور (sym) کا مجموعہ ہے

" لغت میں علامت انگریزی لفظsymbolکا متبادل ہے اور یونانی لفظ symbolineسے ماخوذ ہے جس کے معانی ہیں "دو چیزوں کو ایک ساتھ رکھنا"(۲)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سمبلSymbol کی تعریف یوں درج ہے:

"Symbol the term given to a visible object representing to the mind, the symblance of something which is not shown but realized by association" (3)

کشاف میں علامت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"علامت کے اصطلاحی معنی ہیں: کوئی شے، کردار یا واقعہ جو بطور مجاز اپنے کردار اپنے ماورا کسی شے کی نمائندگی کرے"(۴)

اصطلاح میں علامت نگاری سے مراد تخیل یا فکر کو اشارے یا پھر نشان کے انداز میں استعمال میں لانا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق:

"علامت نگاری میں مخفی تصورات کا وسیع سلسلہ ہوتا ہے اور اس کی حیثیت ذہنی رویے کی ہوتی ہے۔ علامت میں اظہار بصورتِ اخفا ہوتا ہے۔"(۵)

۔ڈاکٹر وزیر آغا کی علامت کے بارے میں یہ رائے ہے:

"جب شاعر کسی شے یا لفظ کو علامت کے طور پر استعمال کرتا ہے تو اپنی جست کی مدد سے اس شے اور اس کی مخفی معنی میں ایک ربط دریافت کرتا ہے۔ شاعر کا سارا جمالیاتی حظ اس میں اسی جست کے باعث ہے"۔ (۶)

اگر تخلیقی عمل کی مدد سے کوئی لفظ یا شے اتنی صقیل ہو جائے کہ منعکس کرنے لگے تو ہم کہیں گے کہ اب یہ لفظ یا شے علامتی ہو گئی ہے۔(۷)

سادہ لفظوں میں سمبل کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں کوئی ایک معنی نہیں بلکہ بے شمار معانی ہیں۔(۸)

علامت اور استعارے میں فرق

علامت استعارہ کی توسیع شدہ شکل ہے۔ استعارہ جب ترقی کر لیتا ہے اور اس سے فرد کے بجائے عمومی معنویت مراد ہوتی ہے تو اسے علامت کہتے ہیں۔ جیسے "پھول کے ساتھ کانٹا بھی ہوتا ہے" کہہ کر پھول سے کوئی مخصوص فرد مراد نہ لیا جائے بلکہ ہر وہ شے یا شخص مراد ہو جس میں پھول کی خاصیات (مثلاً خوبصورتی اور نزاکت) ہوں اور اس کے ساتھ کانٹے جیسی ناگوار چیزیں یا اشخاص بھی وابستہ ہوں۔ استعارے کو ادب اور شاعری میں ایک رمزی وسیلۂ اظہار کے طور پر برتا جاتا رہا ہے لیکن وقت کے ساتھ تخلیقی قوت کے اظہار کے لیے زیادہ قوی ذریعۂ اظہار کے طور پر علامت منظر عام پر آئی جو کہ استعاراتی سلسلوں سے مل کر بنتی ہے مگر استعارہ سے جدا ہے۔ علامت میں مشابہت اور مماثلت کے کئی قرینے موجود ہوتے ہیں جو استعاروں کی نسبت کہیں زیادہ معانی اور وسعت لیے ہوتے ہیں۔ علامت استعارہ سے آگے کا مرحلہ ہے۔ بنیادی طور پر دیکھا جائے تو علامت اور استعارہ ایک ہی قبیل کے ارکان ہیں لیکن ان دونوں میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔ استعارہ معنی کے ایک پہلو کو روشن کرتا ہے۔ جس طرف دیکھے معنی کا ایک ہی پہلو اور ایک ہی سطح نظر آتی ہے جبکہ علامت میں تنوع، وسعت اور بوقلمونی ہوتی ہے۔ جس انداز اور نظر سے بھی دیکھے معنی کی اَن گنت پرتیں اور سطحیں ملتی ہیں۔ مفاہیم کا وسیع تر سلسلہ علامت کے پہلو میں ملفوف ہوتا ہے۔ علامت دراصل استعارے سے کہیں زیادہ وقیع اور جامع ہوتی ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری اپنی کتاب" جدید اردو شاعری میں علامت نگاری" میں لکھتے ہیں۔

> "علامت ایک بھرپور تصور ابھارتی ہے۔ جبکہ استعارہ کی معنویت کے سلسلے وسیع اور بھرپور نہیں ہوتے۔ اس اعتبار سے استعارہ علامت سے کمتر درجے کی چیز ہے"(۹)

کئی اہل قلم نے علامت اور استعارے کو ایک ساتھ بیان کیا ہے گویا ان کے نزدیک ان دونوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔

شمس الرحمن فاروقی بھی علامت کے لیے وسیع فکری نظام کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک:

> " علامت اور استعارہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ علامت ایک وسیع تر نظام کا حصہ ہوتی ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ بیک وقت کئی چیزوں کا استعارہ ہوتی ہے بلکہ شے فی نفسہ اور شے نمائندہ کی حیثیت سے بار بار سامنے آتی ہے لہٰذا علامتی استعارہ، علامت اور استعارہ الگ الگ چیزیں ہیں۔"(۱۰)

فیض احمد فیض کے ہاں علامت اور استعارہ میں کوئی فرق نہیں ہے وہ دونوں کو ہم معنی قرار دیتے ہیں۔

"علامات سے ہم ایسے استعارے مراد لیتے ہیں جنھیں شاعر اپنے بنیادی تصورات کے لیے استعمال کرتا ہے۔"(۱۱)

ڈاکٹر شوکت سبزواری کے مطابق اشارہ البتہ نئی اصطلاح ہے یہ انگریزی لفظ سمبل کا ترجمہ ہے۔علامت، رمز و ایما اس کے مترادفات ہیں۔اردو کے تنقیدی ادب میں جس طرح یہ اصطلاحیں استعمال ہو رہی ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام لکھنے والوں کے ذہن میں اس کا کوئی واضح اور معین فرق بھی نہیں کیا جاتا ہے اور ان کو خلط ملط کر کے غلط اور گمراہ کن نتیجے نکال لیے جاتے ہیں۔(۱۲)

بعض نے اشارے کو علامت کا متبادل قرار دیا ہے ان کے نزدیک علامت کو اشارے کی جگہ اور اشارے کو علامت کے بدلے میں استعمال کرنا درست ہے جبکہ حقیقت حال اس کے بالکل بر خلاف ہے چونکہ علامت اور اشارے میں نمایاں فرق موجود ہے اشارے میں کسی چیز کی محض نشاندہی ہوتی ہے جبکہ علامت اس چیز کی حقیقت کے ساتھ اس کا تصور بھی پیش کرتی ہے۔اس بارے میں انیس ناگی نے اپنی کتاب ''تنقید شعر'' میں لکھا ہے کہ اشارہ کسی چیز یا حقیقیت کی نشاندہی کرتا ہے علامت اپنے بطن میں اشارے کے علاوہ دوسری چیزوں کو بھی لیے ہوتی ہے علامت تصور کی حامل بھی ہوتی ہے یعنی وہ کسی حقیقت کی محض نشاندہی نہیں کرتی بلکہ اس کے تصور کو بھی پیش کرتی ہے۔(۱۳)

علامت کی بنیاد موازنہ نہیں ہے جبکہ دوسری طرف استعارہ موازنے قائم ہے کیونکہ اس کی تہوں میں تشبیہ کے متعلقات موجود رہتے ہیں۔اگرچہ دیگر ذرائع اظہار کی نسبت سے استعارہ علامت کے زیادہ قریب ہے لیکن علامت اور استعارہ معنی کی تفہیم کے اعتبار سے مختلف ہیں استعارہ میں معنویت کی ایک سطح مخفی ہوتی ہے جبکہ علامت میں معانی کی کئی سطحیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔معانی کی مختلف سطحیں ہونے کی وجہ سے علامت میں ایک طرح کا ابہام ہوتا ہے لیکنیہ ابہام بڑا لطیف ہوتا ہے تھوڑی سی دقت اور غور سے اس کی گرہیں سامع پر کھل جاتی ہیں قاری کے طبع سلیم پر گراں نہیں گزرتا چونکہ جب ابہام میں اہمال بھی پایا جائے وہاں ممکن ہے کہ ابہام میں گنجلک اور تعقید کا شکار ہو لیکن علامت میں جو ابہام ہوتا ہے وہ مہمل نہیں مجمل ہوتا ہے جس کو قرائن سے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

علامت اور نشان میں فرق

عام طور پر علامت اور نشان کو ایک ہی چیز قرار دیتے ہیں جبکہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ نشان انگریزی لفظ "sign" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ علامت اور نشان کے مابین فرق یہ ہے کہ علامت غیر یقینی چیز کی طرف راہنمائی کرتی ہے جبکہ نشان ایک یقینی اور مقررہ چیز کی طرف اشارہ ہے۔ ڈاکٹر ابن فرید اپنی کتاب " میں، ہم اور ادب" میں رقم طراز ہیں۔

> "عام طور پر علمی علامت کے موئدین اس صفت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور صرف مماثلت کی وجہ سے علامت کو گھٹا کر نشان بنا دیتے ہیں کہ جس طرح سائن اور سگنیچر میں تعلق ناگزیر ہوتا ہے اسی طرح علامت اور علامت شدہ میں رشتہ ضروری ہوتا ہے۔ حالانکہ نشان میں تعلق صرف ایک سطح پر ہوتا ہے لیکن علامت میں یہ رشتہ مختلف سطحوں پر ہوتا ہے۔"(۱۴)

نشان اور اشارہ کا دائرہ کار نشاندہی تک محدود ہوتا ہے جبکہ علامت نشاندہی کے علاوہ اس چیز کے تصور کو بھی پیش کرتی ہے۔

نشان کے برعکس علامت میں معنوی رشتے متعین اور محدود نہیں ہوتے ہیں۔ اس میں امکانات کی گنجائش بہت ہوتی ہے جبکہ نشان کا معنوی رشتہ معین اور محدود ہوتا ہے۔ یہ کسی معلوم شے کی کیفیت اور وضعیت کو بیان کرتا ہے۔ علامت کسی غیر معلوم چیز کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان نے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ہر علامت اور رمز ایک نشان ہے۔ مگر نشانی محدود اور متعین ہو سکتی ہے۔ ٹریفک کے سگنل کی سرخ بتی رک جانے کا اشارہ ہے اور ٹریفک کا قانون یاد دلا کر ہمیں رُکنے پر مجبور کرتی ہے۔ محدود اشارے کچھ خاص سطحوں تک ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن جب استعارے اور نشانیاں اتنے بڑے ہوں کہ ان میں کثیر الجہاتی عظمت آجائے تو وہ رمز کہلاتے ہیں۔ رمز یا علامت اتنے بڑے ہو سکتے ہیں کہ اس میں صدیوں کے انسانی تجربے سما جائیں۔ صرف انسانی تجربے ہی نہیں کہ یہ تو شاید انسان کے کائنات کے ادراک کے لیے بنیادی طریق کار کا درجہ رکھتے ہیں۔(۱۵)

نشان فرد کی ذاتی معلومات اور ظاہری حقیقتوں کو طے شدہ راستوں اور ہیئتوں سے واضح کرتا ہے جس سے فرد کے شخصی رجحانات اور میلانات نمایاں ہوتے ہیں۔ محمد حسن عسکری لکھتے ہیں۔

"دو لفظ "نشان" اور "علامت" نشان بڑی سیدھی سی چیز ہے بس صرف نام کی مدد سے آپ کسی چیز کو پہچان سکیں۔یوں تو ایسا کون سا لفظ ہے جس کے ساتھ انسانی جذبات تھوڑے بہت لپٹے ہوئے نہ ہوں تاہم نشان میں جذبات کا حوالہ انتہائی کم ہوتا ہے اور یہ نسبتا معروضی، بیرونی اور غیر ذاتی چیز ہے اس کے برخلاف علامت موضوعاتی، اندرونی اور ذاتی نوعیت کی چیز ہے۔"علامت" کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس سے کسی چیز کو پہچاننے میں آپ کو مدد ملے بلکہ یہ تو کسی انسان یا کئی انسانوں کی ایک یا ایک سے زیادہ جذباتی کیفیتوں کی نمائندگی کرتی ہے۔بالکل ممکن ہے کہ یہ کیفیتیں بہت پیچیدہ اور ناقابل تجزیہ ہوں، شاید اس علامت کے علاوہ الفاظ میں ان کے اظہار کا کوئی اور طریقہ ہی نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ایک ہی لفظ ایک جگہ "نشان" ہو سکتا ہے اور دوسری جگہ " علامت"۔اب یہ شاعر کی تخیلی اور تخلیقی قوت پر منحصر ہے کہ وہ لفظ کو کیا بناتا ہے۔"(۱۶)

علامت اور تمثیل میں فرق

تمثیل کا بنیادی وصف اور شناخت تجرید کو تجسیم کرنا ہے یعنی تمثیل میں مجرد تصورات کو مجسم صورت میں بیان کیا جاتا ہے۔انگریزی میں اس کے لیے Allegory کہا جاتا ہے۔علامت اور تمثیل دو مختلف چیزیں ہیں تمثیل میں شعوری کوشش اور اخلاقی جواز پایا جاتا ہے لیکن علامت میں یہ دونوں وصف موجود نہیں ہوتے۔تمثیل میں کسی مجرد اور تصوراتی چیز کو مجسم کر کے پیش کرتے ہیں جس مجرد چیز کو مجسم کیا جاتا ہے اس کا نام بھی بدلا نہیں جاتا ۔علامت نہ کسی اخلاقی جواز کے لیے لکھی جاتی ہے اور نہ ہی لازماشعوری کوشش کا نتیجہ ہوتی ہے۔سی-اے-لیوس کے نزدیک ان کا فرق یہ ہے:

" علامت اور تمثیل دو متضاد چیزیں ہیں ان دونوں کا فرق تخلیقی عمل سے واضح ہو جاتا ہے تمثیل نگار اپنا تخلیقی عمل تجزیہ سے شروع کرتے ہوئے ایک پختہ کہانی تخلیق کرتا ہے مگر ایک علامت نگار ایک پختہ تصور سے شروع کرتے ہوئے ایک روحانی حقیقت کی طرف چل پڑتا ہے۔"(۱۷)

تمثیل میں قطعیت ہے جبکہ علامت میں ظنیت اور مبہات زیادہ ہیں۔تمثیل استعارے سے قریب ہے۔ علامت کا ایک پہلو واضح ہو جائے تو کئی پہلو مخفی ہوتے ہیں۔تمثیل میں نمائندگی کا کھلا اعلان ہوتا ہے۔کوئی چیز مخفی

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

نہیں ہوتی۔ اگرچہ بادی النظر میں اور نزدیکی رشتے میں دونوں کا حسی اور جذباتی کیفیتوں کو ابھارتا ہے لیکن تفہیم اور ابلاغ میں میں نمایاں فرق ہے۔

ڈاکٹر گیان چند کا نقطہ نظر ملاحظہ کیجیے:

> " تمثیل علامت نگاری کی تیز گامی کے مقابل جرسِ کارواں کے نالے میں محو ہے۔ ماضی و حال کے بہت سے ایسے تجربے جو الفاظ میں سما نہیں سکتے۔ تمثیل میں صرف انہی اصولوں کی ترجمانی کی جاتی ہے جن سے ہم پہلے سے واقف ہوتے ہیں لیکن رمز تخیل کی قلم رو کی سیر کرا دیتا ہے۔"(۱۸)

علامت اور تجرید

تجرید عربی زبان کا لفظ ہے۔ کسی غیر مرئی حالت، شے یا مادہ کو تجرید کہتے ہیں۔ تجرید ایک طرح کی مصوری اور آرٹ ہے۔ اس میں ذہنی نقشہ اور تصور ہوتا ہے اس کا خارج میں کوئی مصداق نہیں ہوتا۔ اس کی عمدہ ترین مثال موسیقی ہے اس کی خارجی کوئی شکل وصورت اور پیکر نہیں ہوتا اوہام، اساطیری تصورات وغیرہ بھی تجرید کے دائرے میں شامل ہیں۔ تجرید کی خصوصیات اور امتیازات کو بیان کرتے ہوئے حنیف رامے نے لکھا ہے کہ یہ مصوری کا ایک ایسا اسلوب ہے جو سب سے زیادہ زندگی سے دور ہے لیکن جن لوگوں نے اسے سنجیدگی سے برتا ہے، دیکھا ہے، ان کا ہماری زندگی پر کتنا اثر ہے ابتدا میں مونڈریاں آئے پھر انگریزوں میں نکلسن کا نام آتا ہے۔ فرانسیسیوں میں براک اور پھر پکاسو ہیں۔(۱۹)

تجرید اور علامت میں نمایاں فرق ہے تجرید کا کوئی مصداق نہیں ہوتا جبکہ علامت میں مصداق ہوتا ہے اگرچہ معین نہیں ہوتا لیکن خارج میں اس کا وجود ضرور ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا علامت اور تجرید کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ تجرید سے مراد بے صورت ہونا ہے۔ چونکہ موسیقی کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور یہ امیجز میں پیش نہیں ہوتی لہذا یہ بنیادی طور پر تجرید ہے شاعری کی حد تک تجریدیت کی آمیزش کی جو کوششیں ہوئی ہیں ان میں شاعری کو موسیقی کی سطح تفویض کرنے کی طلب صاف نظر آتی ہے مگر شاعری صرف ایک حد تک تجریدی ہو سکتی ہے کیونکہ اگر شاعری سے متخیلہ منہا ہو جائے (جس کا کام صورت گری ہے) تو اس کی کارکردگی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ علامت تجرید کی حدوں

کو صرف چھوتی ہے مگر متخیلہ کے ذریعے۔ بے شک جب وہ صورت کو کسی ایک معنی کے شکنجے سے نکال کر کثیر المعانی فضا کے سپرد کرتی ہے تو تجریدی فضا کو جنم دیتی ہے مگر یہ تجریدی فضا منظر سے مکمل منقطع ہوتی ہے۔(۲۰)

تجرید کے طریق کار اور اس کی اور علامت میں فرق کے حوالے سے اشتیاق احمد لکھتے ہیں۔

"تجریدی طریق کار میں ذات کے تجربات، محسوسات اور تصورات کی مختلف اکائیوں کو کسی بڑی اکائی میں پیش کرنے کی بجائے ان اکائیوں کو بعینہ پیش کرنے پر زور دیا جاتا تھا۔ یہ منتشر اکائیاں ناظر کو جمالیاتی اور تجربی احساس فراہم نہ کر سکتی تھیں۔ اس کے مقابلے میں علامت کا طریق کار مختلف تھا علامت میں ذات کے تجربات، محسوسات اور تصورات کی پیش کش اجزا کی صورت میں نہیں بلکہ کلی صورت میں ہوتی تھی۔ یہاں مختلف اکائیوں کو کسی بڑی اکائی میں پیش کیا جاتا تھا"(۲۱)

ڈاکٹر رشید امجد نے ان دونوں کے درمیان فرق کو انتہائی سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے وہ علامتی افسانہ اور تجریدی افسانوں میں فرق کے بارے میں لکھا ہے

"تجریدی افسانوں میں افسانہ نگار کہانی کے پلاٹ میں تجرید کا اہتمام کرتا ہے لیکن علامتی افسانوں میں کردار اور کہانی تجسیمی ہوتی ہے علامت کا عمل دخل صرف پیش کش میں ہوتا ہے۔"(۲۲)

حاصلِ تحقیق یہ ہے کہ علامت، استعارہ، نشان، تمثیل، تجرید بظاہر ایک جیسے معنی کے حامل الفاظ معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ یہ الفاظ ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھنے کے باوجود اپنے اپنے معنوی دائروں میں مختلف ہیں۔ علامت اور استعارہ معنی کی تفہیم کے اعتبار سے مختلف ہیں استعارہ میں معنویت کی ایک سطح مخفی ہوتی ہے جبکہ علامت میں معانی کی کئی سطحیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

علامت اور نشان کے مابین فرق یہ ہے کہ علامت غیر یقینی چیز کی طرف راہنمائی کرتی ہے جبکہ نشان ایک یقینی اور مقررہ چیز کی طرف اشارہ ہے، نشان اور اشارہ کا دائرہ کار نشاندہی تک محدود ہوتا ہے جبکہ علامت نشاندہی کے علاوہ اس چیز کے تصور کو بھی پیش کرتی ہے

تمثیل میں شعوری کوشش اور اخلاقی جواز پایا جاتا ہے لیکن علامت میں یہ دونوں وصف موجود نہیں ہوتے۔ تمثیل میں کسی مجرد اور تصوراتی چیز کو مجسم کر کے پیش کرتے ہیں جس مجرد چیز کو مجسم کیا جاتا ہے اس کا نام بھی بدلا نہیں جاتا۔

تجرید اور علامت میں فرق یہ ہے کہ تجرید کا کوئی مصداق نہیں ہوتا جبکہ علامت میں مصداق ہوتا ہے اگرچہ معین نہیں ہوتا لیکن خارج میں اس کا وجود ضرور ہوتا ہے۔

ادبی تحریروں میں ان اصطلاحات کا استعمال جابجا کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ان کے معنی میں تسامح در آتا ہے جس کی وجہ سے ادب کا نو آموز قاری اس تسامح کے باعث متذبذب ہو جاتا ہے۔ ادبی تخلیقات کی تشریح بالخصوص ادب پارے کی فنی جمالیات کی توضیح کے سلسلے میں متذکرہ بالا اصطلاحات کی درست معنوی تفریق و تفہیم از بس ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احمد دہلوی، سید، فرہنگ آصفیہ، لاہور، مکتبہ حسن سہیل، جلد سوم، ۱۹۴۷، ص ۲۷۹

۲۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، اردو ادب اور مغربی رجحانات، اردو سخن ڈاٹ کام، پاکستان، اپریل ۲۰۱۶، ص ۸۴

۳۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، امریکہ، ۱۹۶۵، ص ۷۰۱

۴۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ڈاکٹر، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵، ص ۱۲۳

۵۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ولی سے اقبال تک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵، ص ۲۹۲

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۷۸، ص ۴۲۳

۸۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، معنی اور تناظر، سرگودھا، مکتبہ نردبان، ۱۹۹۸، ص ۲۸۳

۹۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۵، ص ۵۶-

۱۰۔ شمس الرحمن فاروقی، شعر، غیر شعر اور نثر، شب خون کتاب گھر، الہ آباد، ۱۹۷۳، ص ۷۲

۱۱۔ فیض احمد فیض، میزان، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۵، ص ۱۴۳

۱۲۔ سید عابد علی عابد، البیان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳،، ص ۷۹

۱۳۔ انیس ناگی، تنقید شعر، لاہور، نئی مطبوعات لاہور، اپریل ۱۹۶۵، ص ۸۲

۱۴۔ ابن فرید، ڈاکٹر،: میں ہم اور ادب، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ، ۱۹۷۷ء، ص ۳۷
۱۵۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر، علامت کی تعبیر (مقالہ)، مشمولہ " قومی زبان"، کراچی، فروری ۱۹۹۱ء، ص ۳۹
۱۶۔ محمد حسن عسکری، جھلکیاں (مرتبہ) سہیل عمر، نعمانہ عمر،، مکتبہ الروایت، لاہور، س-ن، ص ۱۳۸
۱۷۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۵۷
۱۸۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو نثر کا فنی ارتقا، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۰
۱۹۔ محمد حنیف رامے، نصف صدی کی مصوری، ادب لطیف (گولڈن جوبلی نمبر)، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۵۷۰
۲۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، معنی اور تناظر، سرگودھا، مکتبہ نردبان، ۱۹۹۸ء، ص ۵۲
۲۱۔ اشتیاق احمد، جدید علامت نگاری بیت الحکمت، لاہور،، ۲۰۱۸ء، ص ۵۵
۲۲۔ رشید امجد، ڈاکٹر، افسانے کے نئے موضوعات، پاکستانی ادب (تنقید)، مرتبہ: رشید امجد، فاروق علی، راولپنڈی، ۱۹۸۲ء، ص ۹۶ے